پروفیسر محمد اسلم

ہمایوں کا ذوقِ موسیقی

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں موروثی خصوصیتوں سے کافی بہرہ اندوز ہوا تھا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ اگر وہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھنے کی بجائے کسی مدرسے کی مسندِ علم کو زینت بخشتا تو بڑا کامیاب اُستاد ثابت ہوتا۔ ہمایوں کے دل میں علمی ذوق ہر وقت موجزن رہتا تھا اور اسے کتابوں کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ سفر کے عالم میں بھی اُسے ان کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اس کے لائبریرین کا کہنا ہے کہ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا تھا کہ خدا جانے بادشاہ کس وقت کون سی کتاب طلب کر لے۔ اس علمی ذوق کے ساتھ قدرت نے اُسے موسیقی کا ذوق بھی ودیعت کیا تھا۔

ہمایوں نے اپنے درباریوں کے تین طبقے بنا دیے تھے۔ پہلا طبقہ اہلِ دولت کہلاتا تھا۔ اور اس طبقے میں "اخوان واقربا وامرا و وزرا و کافہ سپاہیان" شامل تھے[۱] دوسرا طبقہ اہلِ سعادت کہلاتا تھا اور اس طبقے میں "فضلا و شعرا و موالی و اشراف و اہالی" شامل تھے[۲]۔ تیسرا طبقہ اہلِ مراد کہلاتا تھا اور اس طبقے میں "اربابِ حسن و ملاحت و جوانانِ صاحبِ صباحت و سازندگان نغمہ پرداز و خوانندگان خوش آواز" شامل تھے[۳] قانونِ ہمایونی کی ایک عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہمایوں ہفتے میں دو روز اہلِ مراد کے ساتھ گزارتا تھا۔

اما روز دوشنبہ و چہارشنبہ را روز مراد خوانند و دران دو روز بعض از ندما و خواص و جمعی از اہلِ مراد و اختصاص را مجلس فردوس صفت طلبیدہ بمنتہائے مرادات می رسانند و نکتہ در خصوصیت این دو روز با اہلِ مراد آنکہ روز دوشنبہ تعلق بقمر دارد و چہارشنبہ بعطارد ہیں لایق

۱۔ اخوندمیر، قانون ہمایونی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۰ء، ص ۳۴۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۵ ۳۔ ایضاً

می نماید کہ دریں دو روز با جوانانِ قمر سیکر صحبت داشتہ با متزاج نغمات والحان سازندہ آواز ازدیادِ زیب و زینت بخشد[1]

"پیر اور بدھ کے دنوں کو روز مراد کہتے ہیں اور ان دو دنوں میں بادشاہ اپنے ندیموں، خاص خاص مصاحبوں اور اہلِ مراد کے ایک گروہ کو اپنی مجلس فردوس صفت میں بلا کر ان کی مرادیں برلاتے ہیں۔ ان دو دنوں کو اہلِ مراد کے لیے مخصوص کرنے کا راز یہ ہے کہ پیر کا دن چاند اور بدھ کا دن عطارد کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دن قمر سیکر جوانوں کی صحبت میں بسر کیے جائیں اور ملک ملک کے نغمہ و ساز سے محفل کو زینت بخشی جائے۔"

قانونِ ہمایونی کی روایت ہے کہ ہمایوں نے چار کمروں پر مشتمل ایک کشتی بنوائی تھی جس میں وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ دریا کو جایا کرتا تھا۔ اس کشتی کا ایک کمرہ موسیقاروں کے لیے وقف تھا۔ ان کے گانے بجانے کی تصویر خواند امیر نے ان الفاظ میں کھینچی ہے :۔

سازندگان نغمہ پرداز و خوانندگانِ خوش آواز صورتِ رود و سرود بعشرتگاہ خورشید رسانیدہ ناہید را برقص می آوردند[2]

"نغمہ پرداز سازندے اور خوش آواز گویے سازوں اور گانوں کی آواز کو سورج کی عشرت گاہ تک پہنچا کر ناہید کو نچا دیتے ہیں"

ہمایوں نے "دولت خانہ طلسم" کے نام سے ایک عمارت بنوائی تھی جس میں اکثر شاہی تقریبات منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ان تقریبات میں موسیقی کا پروگرام بھی شامل ہوتا تھا۔ خواند امیر رقمطراز ہے کہ دولت خانہ طلسم میں گانے والوں کی آواز پہ رقاصۂ فلک ناہید بھی بے خود ہو کر ناچنے لگتی تھی[3]

شاہی دربار کے علاوہ کبھی کبھی شاہی حرم میں بیگمات کی موجودگی میں بھی مجلس طرب منعقد ہوا

---

[1] خواند امیر، قانونِ ہمایونی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۰ء ص ۳۸

[2] ایضاً، ص ۵۷

[3] ایضاً، ص ۹۱

کرتی تھی جس میں ۔۔۔ سازندھا وگویندھا ۔۔۔ اپنے اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے[1]

مرآۃ سکندری کی روایت ہے کہ فتح مانڈو کے موقع پر ہمایوں بہت خشمناک تھا۔ اتفاق سے منگل کا دن تھا اور ہمایوں سرخ لباس پہن کر حرم سرا سے باہر آیا اور سپاہیوں کو قتل عام کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی شہر میں خون کی ندیاں بہا دیں حسن اتفاق سے سلطان بہادر شاہ کا درباری گویا منجھو[2] بھی اس ہنگامہ دار و گیر میں ایک سپاہی کے ہاتھ لگا۔ سپاہی نے ابھی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ منجھو نے اس سے کہا کہ میرے قتل سے بھلا تجھے کیا ملے گا؟ میں سلطان بہادر شاہ کا مصاحب ہوں اگر تم میری جان بخشی کرو تو میں تمھیں اپنے وزن کے برابر سونا دوں گا۔ سپاہی نے تلوار نیام میں ڈال لی اور اپنی پگڑی سے منجھو کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک محفوظ جگہ پر جا بیٹھا۔ اتفاق سے ایک راجہ کا اس طرف گزر ہوا اور اس نے منجھو کو پہچان لیا اور اپنے ساتھ ہمایوں کے خیمہ کی طرف سے

---

[1] گلبدن بیگم، ہمایوں نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۸۲

[2] (۱) شاہنواز خاں نے اس کا نام بیجو لکھا ہے۔ (مرآۃ آفتاب نما، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی نمبر فارسی ۲۴ ورق ب ۲۹۴)

(۲) ایشوری پرشاد نے اس گویے کا نام بیجو لکھا ہے۔ (اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۳۰ء، ص ۲۷۶)

(۳) منشی محمد اکرم امام خاں کے خیال میں اس کا صحیح نام بھنو ہے کیونکہ راجہ مان سنگھ تنوار نے مانکوتہل میں ایسے ہی لکھا ہے۔ (معدن الموسیقی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۲۵ء، ص ۲۷)

(۴)۔ ہمایوں کے سوانح نگار بنرجی نے بھی اس کا نام منجو ہی لکھا ہے۔ (ہمایوں بادشاہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۸ء، ج ۲، ص ۳۵)

(۵) عطیہ بیگم فیضی نے بھی اس کا نام بیجو ہی لکھا ہے۔ ان کے خیال میں اس نے ایک ٹوڈی بھی ایجاد کی تھی جو سلطان بہادر شاہ کے نام کی رعایت سے "بہادری ٹوڈی" مشہور ہے۔ (دی میوزک آف انڈیا، مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء، ص ۹۲۵)

(۶)۔ سکندر بن محمد نے مرآۃ سکندری میں اس کا نام منجھو لکھا ہے، ہمارے خیال میں یہی نام صحیح ہے۔ کیونکہ سکندر خود بھی گجراتی تھا اور اس نے یہ پورا واقعہ اپنے والد سے روایت کیا ہے جو خود بھی اس مجلس میں موجود تھا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مرآۃ سکندری، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۸ھ، ص ۲۵۰)

چلا- وہ سپاہی بھی راجہ سے لڑتا جھگڑتا ہمراہ چلا آیا- راجہ نے ہمایوں سے منجھو کی جان بخشی کی سفارش کی- ہمایوں کا ایک درباری خوشحال بیگ قورچی، جو ایک بار ہمایوں کا ایلچی بن کر سلطان بہادر شاہ کے دربار میں جا چکا تھا، منجھو کے فضل و کمال سے واقف تھا- اس نے بھی سفارش کی لیکن بادشاہ نے کوئی خاص توجہ نہ دی- خوشحال بیگ نے موقع پاتے ہی دوبارہ منجھو کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت اس جیسا کوئی گویا شاید ہی ہندوستان میں ہو- بادشاہ نے منجھو کو کچھ سنانے کا حکم دیا اور اس نے فوراً یہ غزل چھیڑی:

کسے نماند کہ ادیا بہ تیغِ ناز کشی![1]
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

منجھو کا گانا ختم ہونے سے قبل ہی ہمایوں کا غُصّہ فرو ہو چکا تھا اور اس نے سُرخ لباس اتار کر سبز لباس پہنا اور منجھو کو خلعت عطا کرتے ہوئے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ اس کے بہت سے رشتہ دار اس وقت قید میں ہیں اُن کی رہائی کا حکم صادر فرمائیں- ہمایوں نے اپنا ترکش منجھو کی کمر سے باندھا اور اپنے خاص گھوڑے پر سوار کر کے چند مصاحب ساتھ کر دیئے- اور ان سے کہا کہ منجھو جس شخص کی طرف اشارہ کرے اُسے فی الفور رہا کر دیا جائے- منجھو نے اپنے عزیزوں کے علاوہ بے شمار قیدیوں کو رہا کرا دیا- کسی نے ہمایوں سے شکایت کی اس نے تو ہر کس و ناکس کو اپنا رشتہ دار ظاہر کر کے رہا کرا دیا ہے- ہمایوں نے اس سے کہا کہ تم یہ کیا کہتے ہو؟

او اگر امروز استقرارِ سلطنت مرا از من می طلبید رد نمی کردم و بدل مطلوب او را ادا می طلبیدم[2]-

"آج اگر وہ مجھ سے میری سلطنت بھی مانگ لیتا تو میں انکار نہ کرتا اور دل کے ساتھ اس کا مقصد پورا کرتا۔"

---

[1] بعض روایتوں میں پہلا مصرع یوں بھی مرقوم ہے:
کسی نماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کشی
(ملاحظہ ہو: خلاصۃ العیش عالم شاہی قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور، نمبر فارسی ۱۵۵۰، ورق ب ۱۴۷)

[2] سکندر بن محمد، مرآتِ سکندری، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۸ھ، ص ۲۵۰-

ہمایوں نے منجھو کو اپنا مقرب بنا کر انعام و اکرام سے نوازنا شروع کیا لیکن اس کے باوجود وہ موقع پاکر بھاگ نکلا، اور بہادر شاہ کے پاس جا پہنچا۔ ہمایوں کو اُس کے فرار کی خبر ملی تو اُس نے بے ساختہ کہا:۔

کم بختی او برایں داشت ورنہ ما ایں قدر نوازش می فرمودیم کہ ہرگز سلطان بہادر را یاد نمی آورد[51]

"یہ اُس کی بدبختی تھی جو اُس نے ایسا کیا ورنہ ہم اُسے اتنا انعام و اکرام دیتے کہ وہ سلطان بہادر شاہ کا نام زبان پر نہ لاتا۔"

سکندر بن محمد کی روایت ہے کہ جب منجھو ہمایوں کے دربار سے بھاگ کر سلطان بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے مسرت کے ساتھ کہا:

امروز آنچہ از من رفتہ بود، باز آمد یعنی منجھو را کہ دیدم رخت غم و غصہ را از ساحت خاطر بیروں کشیدم۔ دیگر مرا آرزوئے نماندہ آنچہ از خدا می طلبیدم کہ بمن رسانید[52]

"جو کچھ مجھ سے چھن گیا تھا وہ آج مجھے دوبارہ مل گیا ہے منجھو کو دیکھتے ہی میرا غم و غصہ جاتا رہا ہے۔ اب میری اور کوئی خواہش نہیں رہی مَیں نے جو کچھ خدا سے مانگا تھا وہ اس نے مجھے دے دیا ہے۔"

سلطان بہادر شاہ جو سلطنت چھن جانے کے باوجود منجھو کو پاکر اتنا خوش ہوا تھا اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اہل فضل و کمال اور گانے بجانے والوں کے حق میں بڑا فراخ دل واقع ہوا تھا۔ تاریخ گجرات کا مصنف میر ابو تراب ولی رقمطراز ہے کہ سلطان ایک ایک مجلس میں گویوں اور مسخروں کو لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے بخش دیتا تھا[53]

شیر شاہ سے شکست کھا کر جب ہمایوں سندھ کے ریگزاروں میں قسمت آزمائی کرتا پھرتا تھا

---

[51] سکندر بن محمد، مراۃ سکندری، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۸ھ، ص ۲۵۰۔

[52] ایضاً۔

[53] میر ابو تراب ولی۔ تاریخ گجرات، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۰۹ء، ص ۲۵

تو اس عالمِ حسرت و یاس میں قدرت نے اسے فرزند عطا فرمایا۔ ہمایوں کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ملی تو وہ فوراً اپنے پروردگار کے حضور میں سجدہ ریز ہوا۔ اس کے بعد اس نے جشن منانے کا حکم دیا۔ نقارچیوں نے نقاروں پر ضرب لگائی۔ اس صحرائے بے آب و گیاہ میں بھی اس نے مطرب، مغنی، عود نواز اور قانون بجانے والے طلب کیے اور انھوں نے اپنے رنگا رنگ نغمات اور دلکش سازوں کے ساتھ حاضرین کی خوشی کو دو بالا کر دیا[1]۔

ہمایوں جب ہندوستان سے ایران روانہ ہوا، تو ہرات میں سلطان محمود میرزا نے اس کا بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایک روز میرزا نے ہمایوں کے اعزاز میں ایک جشن ترتیب دیا اور اس موقعہ پر خراسان کے مشہور مغنی صابر قاق نے ایک غزل پیش کی۔ جس کا مطلع یہ تھا:

مبارک منزلے کاں خانہ را ملہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب مغنی اس شعر پر پہنچا:

ز رنج در احتِ گیتی مرنجاں دل بشو خرم!
کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

عبدالباقی نہاوندی کا یہ کہنا ہے کہ اس شعر کو سُن کر ہمایوں کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے[2]۔

بایزید بیات جو اس سفر میں ہمایوں کے ہمرکاب تھا، لکھتا ہے کہ گورنر خراسان کے حکم سے گانے بجانے والوں کی ایک جماعت ہر وقت مستعد رہتی تھی اور انھیں یہ حکم تھا کہ جس وقت ہمایوں انھیں طلب کرے وہ حاضر خدمت ہو کر ساز و نغمہ سے اس کا دل بہلائیں[3]۔ اس جلا وطنی اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی موسیقی کے ساتھ ہمایوں کی دلبستگی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ ہرات سے

---

[1] صباح الدین عبدالرحمٰن، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۳ء، ص ۴۸۳
[2] عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۴ء، جلد اول، ص ۵۸۸۔
[3] بایزید بیات، تذکرہ ہمایوں، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۱ء، ص ۲۶،

مشہد روانہ ہوا تو سازندوں اور گویّوں کی ایک پارٹی اس کے ہم رکاب تھی جو دورانِ سفر سازو نغمہ سے اس کا دل بہلاتی رہتی تھی[۱]

جوہر آفتابچی بھی ایران کے سفر میں ہمایوں کے ساتھ گیا تھا۔ اس کی روایت ہے کہ ایک بار ہمایوں نے شاہ طہماسپ کے اعزاز میں ایک دعوت دی۔ اس موقع پر شاہ کی فرمائش پر ہمایوں نے ہندوستانی کھانے تیار کرائے۔ کھانے کے بعد شراب کا دور شروع ہوا اور اس موقع پر گلوکاروں، بربط بجانے والوں اور نَے نوازوں نے اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کیا[۲]

ایران سے واپسی پر جب ہمایوں نے کابل پر اپنا تسلط جما لیا تو ہندوستان کی فتح سے پہلے اس نے بدخشاں کو زیر کرنا مناسب سمجھا۔ بدخشاں کی مہموں میں بایزید بیات اس کے ہمراہ تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ بدخشاں کی مہمیں جاری تھیں کہ ایک روز ہمایوں نے ایک مجلسِ طرب آراستہ کی جس میں قبصی، محمد جان قانونی، کوکی چی، طوفان ربابی، قاسم چنگی اور طوفان نَے نواز جیسے سازندے اور حافظ سلطان محمد رخنہ، حافظ کمال الدین حسین، حافظ مہری اور مُلّا میر بیان پیوندی جیسے ممتاز گلوکار شریک ہوئے[۳]

فتح ہندوستان کے بعد ہمایوں صرف چند ماہ زندہ رہا اور اس کا یہ تمام تر وقت بقول احمد یادگار — عیش و عشرت و جشن آراستہ مالی — کی نذر ہوا[۴]

ہمایوں کے عہدِ حکومت میں تاریخ رشیدی کا فاضل مصنف میرزا حیدر دوغلات کشمیر کا گورنر تھا اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دورِ اقتدار میں کشمیر میں شعر و نغمہ کو عام رواج دیا[۵] راجہ مان سنگھ تنوار والیِ گوالیار کے درباری گویّے نائک بخشو کا انتقال

---

[۱] بایزید بیات، تذکرہ ہمایوں، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۴۱ء، ص ۳۱۔

[۲] جوہر آفتابچی، تذکرۃ الواقعات (اردو ترجمہ) مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۹۔

[۳] بایزید بیات، تذکرہ ہمایوں و اکبر، ص ۱۰۰

[۴] احمد یادگار، تاریخ شاہی مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء، ص ۲۴۳۔

[۵] مجمع الشعرائے جہانگیر شاہی، مخطوطہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ، ورق ۱۴

ہمایوں کی تخت نشینی سے پہلے ہو چکا تھا ۔ البتہ اس کی بیٹی ہمایوں کے عہدِ حکومت میں بقیدِ حیات تھی ۔ وہ فنِ موسیقی میں اپنے نامور باپ کی صحیح جانشین سمجھی جاتی تھی ۔ اس کے ماہرِ فن ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا موسیقارِ اعظم میاں تان سین اس کا شاگرد تھا[1]

ہمایوں کے عہدِ حکومت میں موسیقی کی سرپرستی میں بعض صوفیائے کرام بھی بادشاہ سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ شاہی دربار کے باہر صوفیائے کرام کی خانقاہیں موسیقی کا سب سے بڑا گہوارہ سمجھی جاتی تھیں ۔ ہمایوں کے عہد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ چشتیہ سلسلہ کے سربراہ تھے اور آپ کثرت کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ لطائف قدوسی کے مندرجات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ پر ہر وقت جذب و مستی کا عالم طاری رہتا تھا ۔ آپ کے صاحبزادے رقمطراز ہیں کہ ہمارے والد ماجد کی شادی کی تقریب میں جونہی ڈومنیوں نے یہ دوہڑا گایا:-

کہو کہہ کھول دیتا شہہ دیکھا لوری
اس گھونگھٹ کی کارن شہ ہاتھ مروری

حضرت قطبی را حال وجد غالب آمد و سوزِ عشق پیدا شد، از تختِ عروسی افتادند و در تواجد رقص فرمودند و جامہ عروسی ہماں ساعت پارہ پارہ کردند[2]

"حضرت قطب صاحب میں سوزِ عشق پیدا ہوا اور آپ وجد میں آ گئے اور اسی عالم میں مسندِ عروسی سے نیچے گر پڑے ۔ آپ نے فی الفور اپنا عروسی جوڑا چاک کر ڈالا اور وجد کے عالم میں رقص کرنے لگے۔"

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے صاحبزادوں نے ان کی نشست و برخاست کے لیے جماعت خانہ کے صحن میں ایک چھپر ڈال دیا تھا اور اسی کے نیچے اکثر مجلسِ سماع منعقد ہوا کرتی تھی اور آپ سماع سنتے سنتے وجد میں آ کر رقص کرنے لگتے ۔ شیخ رکن الدین نے لطائف قدوسی میں ایک

---

[1] محمد اسلم، شاہجہان کا ذوقِ موسیقی، مطبوعہ روزنامہ امروز لاہور، ۹ مارچ ۱۹۶۹ء، ص ۷ ۔
[2] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ، ص ۱۲ ۔

محفلِ سماع کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

محمود قوال از گجرات آمدہ بود۔ ہماں ساعت حاضر شدہ و سرود گفت، حضرت قطبی را حالت بسیار و وجد بہ کمال پیدا شد آں چھپر را از صحن جماعت خانہ شکستہ کردہ بیرون انداختند و در صحن رقص و تواجد شد[1]

"محمود قوال گجرات سے (گنگوہ) آیا اور اسی لمحے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمود نے قوالی شروع کی۔ جسے سُن کر حضرت قطب صاحب کی حالت غیر ہونے لگی اور ان پر وجد طاری ہوا اسی عالم میں آپ نے وہ چھپر جماعت خانہ کے صحن سے اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ اور صحن میں رقص کرنے لگے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے جوازِ سماع بالمزامیر کے موضوع پر متعدد رسائل تحریر کیے تھے جو زمانے کی دستبرد سے ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ملفوظات میں ان رسائل کا ذکر آیا ہے[2]

عہدِ ہمایوں میں حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کی خانقاہ موسیقاروں کا ملجا و ماویٰ تھی۔ تان سین کے والد مکرند پانڈے کو حضرت کے ساتھ بڑی عقیدت تھی[3] تان سین آپ ہی کی دعا سے پیدا ہوا۔ اور بچپن میں آپ ہی کی توجہ سے مشرف با سلام ہوا[4]۔ مکرند پانڈے نے تان سین کو بچپن ہی میں حضرت کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ حضرت نے کمال شفقت سے اس کی پرورش کی اور ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اُسے موسیقی کی تعلیم دلوائی۔ اور یہ حضرت ہی کا فیضان نظر تھا کہ تان سین ہندوستان کا موسیقارِ اعظم کہلایا اور ابوالفضل یہ لکھنے پہ مجبور رہا کہ گزشتہ ہزار سالوں میں اس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ملی[5] تان سین کے علاوہ بیجو باورے کی تربیت میں بھی حضرت

---

[1] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ، ص ۳۲۔

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء، ص ۹۲۔

[3] شمس کنول، "علم موسیقی"، ماہنامہ آج کل دہلی موسیقی نمبر اگست ۱۹۵۶ء، ص ۱۶۔

[4] خلاصۃ العیش عالم شاہی، مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، ورق ب ۱۴۸۔

[5] ابوالفضل، آئین اکبری، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۲ء، ص ۲۶۳۔

گوالیاریؒ کا بڑا حصّہ ہے ۔

حضرت محمد غوثؒ کو خود بھی موسیقی میں بڑا درک حاصل تھا - ان کا ہم عصر مورخ بدایونی، جو ایک بار اُن کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکا تھا ، ان کے متعلق لکھتا ہے :-

خانقاہی تعمیر فرمودہ بسماع وسرود و وجد اشتغال داشت وخود درآں وادی تصنیف میکرد[1]

" آپ نے خانقاہ بنوا لی تھی - اکثر سماع نغمہ اور وجد میں مشغول رہتے تھے - اس فن میں آپ نے تصنیفی کام بھی کیا ہے "

ہمارے خیال میں موسیقی ایک لطیف فن تھا - اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں موسیقی کو غذائے روح سمجھ کر سُنا جاتا تھا - ایک ماہر موسیقار جناب شمس کنول اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " فنِ موسیقی فنونِ لطیفہ میں سے ایک بڑا لطیف فن ہے جس سے قلبِ انسانی پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں - کبھی دل حسرت و الم میں ڈوب جاتا ہے اور کبھی اس میں جوش و سرور پیدا ہوتا ہے اور اس طرح انسان کے مختلف جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں - صوفیائے کرام اور سنت سادھوؤں کا طبقہ موسیقی کو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا ذریعہ سمجھتا ہے[2] " بڑے بڑے صوفیائے کرام نے موسیقی کی نوک پلک سنوارنے اور اسے بامِ عروج تک پہنچانے میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا ہے - اس ضمن میں حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کے علاوہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ، امیر خسروؒ، صوفی بہاء الدین برناویؒ، صوفی شیر محمد، شیخ پیر میرٹھی، نظام الدین مدھو نانک میراں سید شاہ حسینؒ اور حضرت سید شاہ جمالؒ کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں - ہماری یہ رائے ہے کہ موسیقی جب تک طوائف کے کوٹھے تک نہیں پہنچی تھی اس وقت تک اسے ایک پاکیزہ فن تصوّر کیا جاتا تھا - یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے خدا رسیدہ درویشوں نے اسے پروان چڑھانے میں اپنی عمریں صرف کر دیں اور اسے اپنے لیے باعثِ عار نہ سمجھا ۔

---

[1] عبدالقادر بدایونی - منتخب التواریخ ، جلد سوم ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء ، ص ۵ -

[2] شمس کنول ، " علم موسیقی " ماہنامہ آج کل دہلی ، موسیقی نمبر اگست ۱۹۵۶ء ، ص ۱۶ -